علمی موضوعات پر مطالعہ و تحقیق کا طریقہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

پیش لفظ

علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے اصل میں دو اور دو چار کی طرح کچھ قواعد متعین نہیں ہیں ؛ بلکہ زیادہ تر تجربہ اور مسلسل اشتغال کے ذریعہ انسان کے اندر کسی موضوع پر مطالعہ، قلم اُٹھانے اور اپنا حاصل مطالعہ پیش کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اس راہ کے مسافروں نے کوشش کی ہے کہ اپنے تجربات کو منضبط کریں ؛ تاکہ نو واردوں کو سہولت ہو اور وہ ان تجربات کو سامنے رکھ سکیں، عربی اور مغربی زبانوں میں اس پر بہت سارا کام ہوا ہے، ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے علمی تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کا درس دیا جاتا ہے، اُردو زبان میں اول تو اس طرح کا کام ہی بہت کم ہوا ہے اور جو کچھ ہوا ہے، اس میں بھی تاریخی کتابوں اور ادبی مضامین نیز اُردو و فارسی مخطوطات کی تحقیق کو پیش نظر رکھا گیا ہے؛ اسی پس منظر میں راقم الحروف نے چند سال پہلے معہد کے طلبہ کے لئے اس موضوع پر چند محاضرات دیئے تھے، جن کو عزیزی مولانا مفتی شکیل احمد رحمانی سلمہ اللہ تعالیٰ (ناظم مدرسۃ الرشاد، سکندرآباد) نے نوٹ کرلیا تھا، یہ ان ہی محاضرات کا خلاصہ ہے، جو طلبہ کے سالانہ ترجمان '' سہ ماہی حرا'' میں شائع ہوا تھا، ہر سال کچھ طلبہ اس کی زیراکس کرالیا کرتے تھے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اسے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کردیا جائے، ویسے معہد میں اب سال دوم میں ''منہج بحث'' مستقل موضوع کے طور پر داخل نصاب ہے اور پہلے دورانیہ میں باضابطہ اس کے اسباق بھی ہوتے ہیں ؛ چوں کہ معہد میں زیادہ تر مقالات فقہ کے موضوع پر لکھے جاتے ہیں، اس لئے اس محاضرہ میں مثالیں فقہ کی مناسبت سے ہیں، لیکن زیادہ تر مضامین عمومی نوعیت کے ہیں، جو کسی بھی موضوع پر کام کرنے والے طلبہ کے کام آسکتے ہیں، یہ تحریر اس موضوع پر بعض کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ بھی ہے اور کچھ اپنے تجربات بھی ہیں، خدا کرے کہ یہ رہروان علم وتحقیق اور مسافرانِ شوق کے لئے مفید ثابت ہو۔ واللہ هو المستعان .

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۲۰ر شوال ۱۴۳۳ھ

۸ر ستمبر ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طلبہ عزیز! علم کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے؛ لیکن غالباً اسلام واحد مذہب ہے، جس کی نگاہ میں علم ذریعہ بھی ہے اور مقصود بھی، جس نے علم کو عبادت کا درجہ دیا ہے اور جس نے ایک ساعت دین کی تحقیق میں گزارنے کو شب بھر کی نفل عبادت سے بڑھ کر بتایا ہے؛ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد سے لے کر آج تک اسلام پر جتنا کچھ لکھا گیا ہے اور قرآن وحدیث سے متعلق ایک ایک پہلو پر جس قدر کام ہوا ہے، دوسرے مذاہب میں شاید اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا گیا، امام اوزاعیؒ نے لکھا ہے کہ کثرتِ تصنیف اس اُمت کا اعجاز ہے، اس لئے پہلی بات یہ ہے کہ علم وتحقیق کا جو بھی کام آپ کریں، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر ہو، یہی کام کی اصل روح ہے، علماء اور عام لوگوں کے علمی اور تحقیقی کاموں کے درمیان مابہ الامتیاز یہی ہے کہ ہمارے تحقیقی کاموں کا مقصد اپنی علمی سربلندی کا اظہار، دوسروں کے مقام کو گرانا یا تحقیق برائے تحقیق نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے درجہ میں ہے؛ اسی لئے سلفِ صالحین کے یہاں ایسے کاموں میں اصلاحِ نیت کا بڑا اہتمام تھا، امام بخاریؒ کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کو انھوں نے کس اہتمام کے ساتھ جمع فرمایا کہ ہر حدیث کے لکھنے کے وقت غسل اور دو رکعت نفل کی ادائیگی کا اہتمام کیا، ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی تصنیف وتالیف کے کام کے لئے کچھ اوقات مقرر کر رکھے تھے، آپؒ جب اپنا تصنیفی مشغلہ شروع کرتے تو باوضو رہنے کا اہتمام کرتے اور اولاً دو رکعت نماز نفل پڑھتے، پھر کام شروع کرتے، مولانا کی تصنیفات وتالیفات کو جو قبول عام حاصل ہوا، اس میں یقیناً اس کا بھی دخل ہے؛ اس لئے اس راہ کا پہلا سبق یہی ہے کہ جب علم وتحقیق کا کوئی کام کیا جائے اور کسی موضوع پر قلم اُٹھایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پیش نظر ہو اور اصل مقصود یہی ہو کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج کل علم وادب کے سلسلہ میں مختلف نظریات کام کر رہے ہیں، جن میں ایک ہے: ''ادب برائے ادب'' اور ''تحقیق برائے تحقیق'' — ایک مسلمان اور خاص کر عالم دین کے لئے ایسے بے مقصد ادب اور گم گشتہ منزل تحقیق کی کوئی جگہ نہیں، ہمارے یہاں وہ علم و تحقیق مطلوب ہے، جو دین سے مربوط ہو، جس سے کسی دینی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہو، جس سے انسانیت کا نفع متعلق ہو، جس تحقیق کا رشتہ اللہ کی ذات اور اللہ کے نام سے جڑا ہوا ہو، رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ علم کو اللہ کے نام سے جوڑا جائے ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ'' (العلق:۱) غرض آپ کی تحقیق کا مقصد یا تو کسی حکم شرعی کی تحقیق ہو یا اسلام کی دعوت یا اس کی حفاظت ہو، تحقیق دین، اشاعت دین اور حفاظتِ دین، انھیں میں سے کسی مقصد کے لئے آپ کا قلم اُٹھنا چاہئے اور یہی اصل میں ایک عالم کے شایانِ شان ہے؛ کیوں کہ ہمارا پورا وجود اللہ ہی کے لئے ہے: ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ''۔ (الانعام:۱۶۳)

ایک بات اور ہم لوگوں کو ملحوظ رکھنے کی ہے کہ علم و تحقیق کے کام میں کبھی عدل کا دامن چھوٹنے نہ پائے اور قلم سنجیدگی اور متانت کی حدوں کو پار نہ کر جائے، کسی علمی مسئلہ میں اختلافِ رائے بری بات نہیں ہے؛ لیکن اختلاف میں طنز و تعریض، اہانت اور آبرو ریزی نہ درست ہے اور نہ مفید، مسلمان تو کیا غیر مسلموں کے ساتھ بھی ایسا رویہ اختیار کرنا اسلامی اخلاق کے خلاف ہے، انبیاء نے کبھی یہ سلوک اختیار نہیں کیا؛ اس لئے اگر کسی رائے یا شخصیت پر تنقید کرنی ہو تو اس کے درجہ و مقام کو ملحوظ رکھا جائے، بے احترامی سے بچتے ہوئے سنجیدہ لب ولہجہ میں اپنی بات کہی جائے، جن حضرات سے آپ کا فکری یا نظریاتی اختلاف ہو، اگر ان کے یہاں کوئی اچھی چیز ملتی ہو تو اس کا اعتراف بھی ہونا چاہئے، غور کیجئے کہ علامہ زمخشریؒ معتزلی ہیں اور اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان کتنے ہی اُصولی اختلافات ہیں؛ لیکن اس کے باوجود علماء اہل سنت نے ہمیشہ ان کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے اور خاص کر قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لئے ان کی تحریروں کو واسطہ بنایا ہے، یہی معاملہ علماء اہل سنت کا علامہ راغب اصفہانی کے ساتھ ہے

اوران حضرات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے احترام کو بھی ملحوظ رکھا ہے، یہ دراصل دیانت اور عدل کا تقاضا ہے، جس شخص کا اختلاف لوجہ اللہ ہوگا، جیسے غلط بات پر نکیر کرنے میں اس کو کوئی باک نہیں ہوگا، اسی طرح وہ اچھی باتوں کا اعتراف کرنے میں بخل سے بھی کام نہ لے گا۔

اس تمہید کے بعد اب اصل موضوع پر آیئے!

کسی علمی موضوع پر لکھنے کے لئے پانچ مراحل آتے ہیں :

(۱) موضوع کا انتخاب۔

(۲) موضوع سے متعلق ذیلی عنوانات کی خاکہ سازی۔

(۳) موضوع سے متعلق مواد کا استخراج۔

(۴) مقالہ اور رسالہ کو قلم بند کرنا۔

(۵) مناقشہ یا نظر ثانی۔

موضوع کا انتخاب

موضوع کے انتخاب کا عمل دراصل طلبہ واساتذہ کا مشترکہ عمل ہے، طلبہ کو چاہئے کہ کسی موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے پہلے دیکھ لیں کہ اس موضوع سے مناسبت ہے یا نہیں؟— اس کے لئے اسے اپنے آپ سے چار سوالات کرنے چاہئیں :

(۱) وہ جس موضوع پر قلم اٹھانے والا ہے، کیا وہ موضوع اس لائق ہے کہ اس پر محنت کی جائے؟ یعنی طالب علم کو چاہئے کہ حتی المقدور زندہ موضوع کا انتخاب کرے، اگر وہ دینی موضوع پر لکھتا ہے تو اس کی تحریر سے ایک ضرورت کی تکمیل ہوتی ہو؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ علم نافع کی دُعاء فرمائی ہے اور علم غیر نافع سے اللہ کی پناہ چاہی ہے، پس یہ ایسا موضوع نہ ہو کہ گمنامی کی خاکستر میں دب کر رہ جائے اور کسی کے لئے نافع نہ ہو سکے۔

(۲) دوسرے اس پر غور کرنا ہے کہ کیا اس موضوع پر کوئی اچھی چیز لکھی بھی جا سکتی ہے؟ کیا یہ بات ممکن ہے کہ اس میں مقالہ نگار کوئی نئی بات کہہ سکے، یا کسی نئے انداز پر کام ہو سکے، جو اس کو پہلے کاموں سے ممتاز کرتا ہو۔

(۳) اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس موضوع پر کام کرنے کی گنجائش ہے تو پھر اسے یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ خود اس کام کو انجام دے سکتا ہے؟ — اس میں اپنی صلاحیت، موضوع سے متعلق مواد، جن زبانوں میں دستیاب ہے، ان سے واقفیت اور عدمِ واقفیت، اوقاتِ فرصت، مطلوبہ موضوع پر مطالعہ کے لئے سفر کی ضرورت پڑتی ہو یا مخطوطات و مطبوعات کے فوٹو لینے کی ضرورت پڑسکتی ہو تو اس کے لئے مالی وسائل، اگر کسی مخطوطہ پر کام کرنا ہو تو اس مخطوطہ کے مختلف نسخوں کی دستیابی اور عدمِ دستیابی وغیرہ اُمور کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۴) اگر وہ ان تمام باتوں کا جواب اثبات میں پاتا ہے تو اب اسے پھر ایک دفعہ غور کرنا چاہئے کہ اس موضوع کی طرف اس کا قلبی میلان بھی ہے یا نہیں؟ — جس موضوع سے طبعی مناسبت نہ ہو، اکثر اوقات ایسے موضوعات پر بہ تکلف لکھی جانے والی تحریری بے روح، محض نقل اور پرانی لکیروں کو تازہ کرنے کے مترادف ہوتی ہیں؛ اس لئے ضروری ہے کہ مقالہ نگار جس موضوع کا انتخاب کرے، وہ اس کے دل کی آواز اور اس کی طبیعت کا تقاضہ ہو اور وہ اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے اس موضوع سے ہم آہنگی پاتا ہو۔

موضوع کے انتخاب میں استاذ کا بھی اہم رول ہوتا ہے، استاذ کو چاہئے کہ ان تمام نکات کے لحاظ سے طالب علم کے انتخاب پر نظر ثانی کرے اور بالمشافہ گفتگو اور انٹرویو کے ذریعہ طالب علم کی موضوع سے مناسبت اور موضوع کے لئے صلاحیت کا اندازہ لگائے، یہ انٹرویو کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے، سابقہ تجربات کی روشنی میں بھی طے کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طالب علم کے سامنے کچھ اور موضوعات رکھے جائیں اور دیکھا جائے کہ پیش کردہ موضوع سے طالب علم کی دلچسپی کم ہوتی ہے یا برقرار رہتی ہے؟

ذیلی عنوانات

موضوع کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ موضوع سے متعلق 'ذیلی عنوانات' کی ترتیب کا ہے، یہ بڑا اہم کام ہے، موضوع کی ترتیب ہی پر مضمون کے باہم مربوط رہنے کا انحصار ہے، ذیلی عناوین کی ترتیب ایسی رکھنی چاہئے کہ قاری کو کہیں خلا محسوس نہ ہو اور بات آسانی سے

ذہن نشیں ہوتی چلی جائے، ترتیب کی خوبی وخامی کو یوں جانچا جا سکتا ہے کہ مثلاً عربی زبان میں نحو پر مستقل کتابیں ہیں، ان میں بعض کتابیں وہ ہیں، جن میں ابتداءً عوامل سے متعلق بحث آجاتی ہے، ایک ایسا طالب علم جس نے اس فن کو ابھی شروع کیا ہو، وہ اس سے وقت محسوس کرتا ہے، فطری ترتیب یہ ہے کہ پہلے کلمات کی بحث ہو، پھر کلام کی اور اس کے ذیل میں عوامل کی، جیسا کہ صاحب کافیہ وغیرہ کا اُسلوب ہے۔

اسی طرح کتبِ فقہ میں عبادات، احکام شخصیہ اور معاملات کی تین اہم بحثیں ہیں، عبادات عام طور پر نصوص پر مبنی ہیں، احکامِ شخصیہ بھی تقریباً ساٹھ فیصد نصوص ہی سے ثابت ہیں اور معاملات زیادہ تر قیاس اور مصالح سے متعلق ہیں، فطری ترتیب یہ ہے کہ ان تینوں شعبوں کو اسی ترتیب سے رکھا جائے، جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے اپنی کتاب کی ترتیب رکھی ہے، مگر بعض فقہاء نے بیوع اور معاملات کے احکام کو احکامِ شخصیہ سے پہلے رکھ دیا ہے، شاید یہ ترتیب اس قدر موزوں نہیں ہے، —— بہر حال ذیلی عناوین میں مضمون کی بہتر ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے!

مقالہ کی ترتیب

ذیلی عناوین میں پہلے چند مرکزی عنوانات قائم کرلئے جائیں، ان میں سب سے پہلے ابتدائیہ ہو، جس میں موضوع کا تعارف، اس کی شرعی اور عملی اہمیت کا ذکر ہو، مضمون کے اختتام پر ایک اختتامیہ ہو، جس میں پوری بحث کا خلاصہ اور نتیجہ سمٹ کر آجائے۔

○ اگر کسی اختلافی موضوع پر لکھنا ہو تو اس کا ابتدائیہ اتنا معروضی اور غیر جانبدارانہ ہو کہ پڑھنے والے کو اس میں کسی ایک نقطۂ نظر پر اصرار اور اس کی جانبداری نظر نہ آئے؛ لیکن اختتامیہ اتنا واضح ہو کہ اگر کوئی شخص پورا مضمون چھوڑ کر صرف اس حصہ کو پڑھ لے تو وہ آپ کے نقطۂ نظر کو بخوبی سمجھ لے۔

○ اگر بحث طویل کی گئی ہو تو یہ بھی مناسب ہے کہ اس اختتامی حصہ میں دو تین سطروں میں اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں پیش کئے گئے دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے، اس اختتامی

حصہ کو "خلاصۂ بحث"، "کلمۂ آخریں"، "حاصل بحث" وغیرہ کا عنوان دیا جاسکتا ہے، تمہیدی حصہ کو "تعارف مسئلہ" یا "تعارف موضوع" کا عنوان دے سکتے ہیں اور تمہید مختصر ہو تو عام طور پر اسے بلا عنوان ہی رکھا جاتا ہے۔

○ فقہی موضوع پر عنوانات کی ترتیب کے دو طریقے ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ مسائل کی اہمیت کے اعتبار سے عنوانات کی ترتیب رکھی جائے، مثلاً: نماز کے بیان میں پہلے ارکان، پھر شرائط، پھر واجبات وغیرہ کا ذکر کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ عملی ترتیب کو پیش نظر رکھا جائے، مثلاً: مسائل نماز لکھنے میں تکبیر تحریمہ، ثناء، تعوذ وتسمیہ، قراءت، قیام اور رُکوع وسجود کی ترتیب رکھی جائے۔

○ بعض موضوعات میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسباب کو ملحوظ رکھ کر مضمون کی ترتیب قائم کی جائے، مثلاً سجدۂ سہو پر کوئی رسالہ لکھنا ہو تو تاخیر رکن، تاخیر واجب یا ترکِ واجب وغیرہ کو الگ الگ عنوان بنا کر اس کے ذیل میں احکام لکھے جائیں۔

○ کبھی عنوان کی ترتیب احکام کی نسبت سے قائم کی جاتی ہے، مثلاً جنایات کے احکام لکھنے ہیں تو اس کی ترتیب یوں بھی ہو سکتی کہ پہلے ان جنایتوں کا ذکر کیا جائے، جن میں قصاص واجب ہوتا ہے، پھر ان صورتوں کا جن میں مکمل دیت واجب ہوتی ہے، پھر ان جنایتوں کا جن میں نصف یا رُبع دیت واجب قرار دی جاتی ہے۔

یہ لکھنے والے کا کام ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھا رہا ہے، اس کو لکھتے ہوئے اچھی طرح غور کرلے کہ کونسی ترتیب اچھی ہوگی، جو پڑھنے والوں کے لئے سہولت بخش ہو اور آسانی سے موضوع کے تمام گوشوں کا انضباط ہوجائے؟

○ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کسی ایسے موضوع پر گفتگو کرنی ہو، جس کے ذیل میں بہت ساری جزئیات آتی ہوں، اگر آپ کسی ایک اہم اور تفصیلی مسئلہ کو اپنا موضوع بنائیں تو عام طور پر وہ ایسے مسائل ہوں گے، جن میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہوگا، ان کی ترتیب دو طرح پر قائم کی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ تمہید کے بعد پہلے مذاہب وآراء نقل کردیے جائیں

اور ہر رائے کے مشہور مؤیدین کا ذکر آجائے، اس کے بعد ہر نقطۂ نظر کے دلائل مستقل عنوان کے ساتھ اس وضاحت اور قوت کے ساتھ لکھیں، گویا وہی آپ کی رائے ہے، اور سب سے اخیر میں اس نقطۂ نظر کو ثابت کیا جائے، جو آپ کے نزدیک راجح ہو، — فریق مخالف کے دلائل پر محاکمہ کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ تمام نقاطِ نظر کے دلائل پیش کرنے کے بعد پھر ان سب پر تنقید کی جائے اور اس کے لئے مستقل عنوان قائم کیا جائے، دوسرے یہ کہ ہر نقطۂ نظر کی دلیل کے ساتھ ہی اس کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔

اس میں خاص طور پر یہ بات ملحوظ رہے کہ جس نقطۂ نظر کی آپ تائید کر رہے ہوں، اس کے حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، اگر ان میں سے بعض میں سقم ہو تو اس کے اظہار میں بھی تکلف سے کام نہ لیا جائے، اس طرح قاری آپ کی غیر جانبداری کو محسوس کرے گا اور آپ کے استدلال سے بھی زیادہ متاثر ہوگا۔

○ ہر دو صورت میں مخالف نقطۂ نظر کے دلائل پر تنقید کے بعد آپ کے نقطۂ نظر پر مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جواب پر ضرور ایک نوٹ لکھنا چاہئے، یہی نوٹ اصل میں مناظرانہ اُسلوب اور معروضی اُسلوب میں امتیاز پیدا کرتا ہے، مناظرانہ اُسلوب یہ ہے کہ مخالف نقطۂ نظر کی تردید میں تیز و تند جملے اور جارحانہ تعبیر اختیار کی جائے، معروضی انداز یہ ہے کہ تحریر سنجیدہ اور اشتعال سے مکمل طور پر خالی ہو، مخالفین کے لئے ان کے حسب حیثیت احترام آمیز الفاظ لکھے جائیں اور ان کی رائے کو یکسر نامعقول قرار دینے کی کوشش نہ کی جائے، جو بات ان کی درست اور قرین قیاس ہو، اس کا اعتراف بھی کیا جائے۔

○ ایسے اختلافی مسائل پر لکھنے کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے بنیادی دلائل کی طرف اشارہ کر دیا جائے، پھر مختلف مذاہب اور نقاطِ نظر کا ذکر ہو، مثلاً کسی زیر بحث مسئلہ میں تین طرح کی احادیث موجود ہوں تو پہلے ان احادیث کو ذکر کر دیا جائے، یا ایک ہی مسئلہ میں قیاس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں تو پہلے ان دونوں پہلوؤں کا تذکرہ ہو، پھر لکھا جائے کہ فلاں شخص نے

فلاں حدیث یا قیاس پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے، پھر اس کے بعد آپ جس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں، اس کی مؤیدات پیش کریں۔

دلائل لکھنے میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ پہلے وہ دلیل تحریر کریں، جو آپ کے نزدیک زیادہ طاقتور اور بنیادی اہمیت کی حامل ہو، پھر اس کے بعد نسبتاً کم اہمیت کی حامل دلیلوں کو لائیں، جس کی حیثیت سابق استدلال کی تائید کی ہو، مثلاً اگر آپ اعضاء کی پیوندکاری پر کوئی مقالہ لکھ رہے ہوں اور آپ اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں تو سب سے پہلے آپ کو انسانی شرافت اور اجزاءِ انسانی سے انتفاع کی حرمت کے نکتہ کو اٹھانا چاہئے، پھر اس کے علاج بالحرام، علاج بالنجس اور پیوندکاری کے رواج کی وجہ سے قتل اور ظلم و زیادتی کا دروازہ کھلنے وغیرہ جیسی اور باتوں کو بیان کرنا چاہئے۔

عنوان سے متعلق ہدایت

عنوانات مرکزی ہوں یا ذیلی، علمی اور اصلاحی مضامین میں ان کو خوب واضح ہونا چاہئے، اتنا واضح کہ عنوان دیکھ کر لوگ مضمون کو سمجھ جائیں، عنوان میں ایسا ابہام نہ ہو کہ مضامین کے پڑھنے میں آدمی کو یہ سمجھ میں نہ آئے کہ مقالہ نگار کیا کہنا چاہتا ہے؟ ہاں ادبی مضامین میں مبہم عنوانات قائم کئے جاسکتے ہیں؛ البتہ عنوان کی زبان سہل اور شستہ ہونی چاہئے اور کہیں ادبی چاشنی پیدا کی جاسکتی ہو تو اس کی رعایت کر لینے میں مضائقہ نہیں۔

موضوع سے متعلق مواد کا استخراج

مواد کے استخراج کے لئے سب سے پہلے مضمون کے مصادر کو متعین کرنا چاہئے، یہ مصادر بنیادی طور پر دو طرح کے ہوں گے :

- ایک: وہ جو خاص اسی موضوع سے متعلق ہوں۔
- دوسرے: وہ جن میں آپ کی مطلوبہ بحث ضمنی طور پر آتی ہو۔

مثلاً: آپ کو وقف کے موضوع پر لکھنا ہو تو خصاف کی ’’کتاب الوقف‘‘ رتضاء کا

موضوع ہو تو ماوردی کی ''ادب القاضی''، عشر و خراج کے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' یا ملکی نظم و نسق کے قانون کے باب میں ''الاحکام السلطانیہ'' وغیرہ، دوسری کتب فقہ میں ذیلی طور پر وقف یا عشر و خراج وغیرہ کے جو مسائل آگئے ہیں، وہ ذیلی مصادر ہیں، کوشش کرنی چاہئے کہ خاص اس موضوع پر لکھی گئی کسی اہم کتاب ـــــ جس کا شمار اس موضوع کی اُمہات کتب میں ہوتا ہو، ـــــ کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیا جائے؛ تاکہ موضوع کے متعلقات پر ایک طائرانہ نظر ہو جائے اور کوئی اہم گوشہ ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

مصنف کے زمانہ و عہد کے اعتبار سے مضمون کے مصادر تین قسم کے ہو سکتے ہیں :

- متقدمین کی تصنیفات۔
- متاخرین کی تصنیفات۔
- معاصرین کی تصنیفات۔

متقدمین کی تصنیفات میں زیر بحث مسئلہ سے متعلق اُصول و قواعد اور دلائل عام طور پر زیادہ منقح صورت میں مل جاتے ہیں اور اصحابِ مذاہب کے مذاہب کی تحقیق بھی زیادہ صحیح ہوتی ہے، جیسے فقہ حنفی کی آراء کے لئے امام محمدؒ کی کتابیں، فقہ شافعی کے لئے ''کتاب الام'' اور ''مختصر المزنی'' اور امام مالکؒ کی آراء کے لئے ''المدونہ'' زیادہ مستند ماخذ ہیں، یہی حیثیت تفسیر میں ''طبری'' اور سیرت میں ''ابن ہشام'' کلام میں ''عقیدۃ الطحاوی'' وغیرہ کو حاصل ہے۔

متاخرین کے یہاں نقل در نقل اور استنباط در استنباط کی وجہ سے بہت سی جگہ نقلِ روایت میں غلطی بھی ہوئی ہے؛ البتہ ان کی کتابوں میں جزئیات اور فروعی تفصیلات زیادہ ملتی ہیں، مسئلہ کے تمام گوشوں پر مواد فراہم ہو جاتا ہے۔

معاصرین کی تحریروں میں موضوع سے متعلق نو پید مسائل، جدید عہد کے عرف و رواجات اور معاصر اہل علم کی آراء سے آگہی ہو جاتی ہے، اس طرح آپ اپنے موضوع کو عصری ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے لکھ سکتے ہیں۔

مواد جمع کرنا

مواد جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیرِ بحث موضوع کو جن ابواب اور فصول پر آپ نے تقسیم کیا ہے، ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ اوراق مخصوص کر لئے جائیں اور مواد کو دو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، مثلاً :

- ایک حصہ: مسئلہ کی تنقیح اور مذاہب کی تفصیل کا ہو۔
- دوسرا حصہ: ادلۂ شرعیہ کا ہو۔
- تیسرا حصہ: اُصول وقواعد کا ہو اور آپ کے مصادر میں جستہ جستہ جو مواد ملتا جائے، اس کو متعلق عنوان کے تحت درج کرتے چلے جائیں۔

ہر موضوع سے متعلق مواد اس موضوع کی مناسبت سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

جن کتب سے آپ مواد حاصل کریں گے، وہ مطبوعہ بھی ہو سکتے ہیں اور مخطوطہ بھی؛ اس لئے کہ ہمارے علوم وفنون کا بہت بڑا ذخیرہ آج بھی ان مخطوطات کی صورت میں موجود ہے، جن تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہو پاتی؛ البتہ مخطوطات سے استفادہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان میں تحریف والحاق کا بھی خاصا امکان موجود ہے؛ اس لئے کسی مخطوطہ سے عبارت لیتے وقت اس کے مختلف نسخوں کی چھان بین کر لینی چاہئے یا ان مسائل کو مطبوعہ کتب میں بھی تلاش کر لینا چاہئے، وہ کتابیں جو عرصہ سے طبع ہوتی آرہی ہیں، اُن کی طرح مخطوطات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

مواد جمع کرتے ہوئے حوالہ جات کی کتب کا پوری تفصیل کے ساتھ تذکرہ کرنا چاہئے، آج کل حوالہ جات لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ :

- سب سے پہلے مصنف کی نسبت۔
- اس کے بعد مصنف کا نام۔
- پھر کتاب کا نام۔
- اس کے بعد جلد نمبر، پھر صفحہ نمبر۔

- اس کے بعد مطبوعہ کا رمز "ط" لکھ کر مطبع کا نام۔
- آخر میں سن طباعت لکھا جائے۔

مثلاً: "العسقلانی، ابن حجر الحافظ، فتح الباری: ۵/۴۳۷، ط: دار العلم بیروت ۱۴۸۰ھ"

اگر کتاب اور مصنف کا نام معروف ہو تو نام کا اشارہ کافی ہے، بعض دفعہ ایسا بھی کیا جاسکتا ہے کہ شہرت کی بنا پر مصنف کا ذکر نہ ہو، صرف کتاب کا نام ہو؛ البتہ ایک ہی نام کی کئی کتابیں ہوں، جیسے "احکام القرآن، الاحکام السلطانیۃ، الاشباہ والنظائر" تو مصنف کے نام کی صراحت ضروری ہے، پوری کتاب میں ایک ہی ایڈیشن سے استفادہ کیا گیا ہو تو سن طباعت اور مطبع کی صراحت ہر جگہ ضروری نہیں، یا تو پہلی دفعہ جو حوالہ آئے، وہاں تفصیلات ذکر کردی جائیں یا پھر اخیر میں مآخذ و مصادر کے عنوان کے تحت ہر کتاب کی تفصیل یکجا ذکر کردی جائے۔

مقالہ کی ترتیب

ان مرحلوں سے گذرنے کے بعد اب مقالہ یا رسالہ کے لکھنے کی باری آتی ہے، مقالہ کی ترتیب اور اس کے عنوان سے متعلق ضروری تفصیلات ذیلی عنوانات کے ذیل میں آچکی ہیں، چند ضروری اُمور کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے:

(۱) مقالہ نگار کو سب سے زیادہ اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی تحریر ممکن حد تک سہل اور آسان ہو، مشکل الفاظ اور لمبی تراکیب، نیز نامانوس محاورات پیش کرنے سے گریز کیا جائے، جملوں کا طویل ہونا خوبی نہیں؛ بلکہ ایک طرح کا عیب ہے۔

(۲) جس فن سے متعلق تحریر لکھ رہا ہو، تعبیر اور اظہار میں اس فن کے مزاج و مذاق کو سامنے رکھے، ادبی تحریر ہے تو اس میں شوخ جملے بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں، اخلاقی مضامین میں تو دل کو متاثر کرنے والے ترغیب و ترہیب کے فقرے مناسب ہیں، لطائف و ظرائف میں بھی یہ چیزیں اچھی لگتی ہیں۔

علوم شرعیہ عموماً اور فقہ کا موضوع خصوصاً بنیادی طور پر سادہ اور چست تحریر کا طالب ہے، جس میں قدم قدم پر قواعد و اصول اور مفہوم مخالف کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، ان موضوعات پر

سخن آرائی بعض دفعہ غلط فہمی پیدا کردیتی ہے؛ البتہ حلاوت پیدا کرنے اور اس کو دلچسپ بنانے کے لئے شریعت کے مصالح وحکم کے تذکرہ سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے، اگر مسائل کے ساتھ ساتھ مصالح پر بھی جستہ جستہ بحث کی جائے تو اس میں کسی قدر زبان وادب کے جوہر دکھانے کا موقع رہتا ہے۔

(۳) تحریر میں طول نویسی سے حتی المقدور بچنا چاہئے، طول نویسی پڑھنے والے کو اُکتا دیتی ہے اور مضمون کی اہمیت و وزن کو کم کردیتی ہے، مثلاً کسی مسئلہ پر آپ دس آدمی کی بحث نقل کریں اور ہر ایک کی بات کا ماحصل ایک ہی ہے، تو بجائے اس کے کہ ہر ایک کی بات مستقل طور پر نقل کی جائے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کی بات نقل کردیں، باقی حضرات کا صرف حوالہ دینے پر اکتفا کیا جائے، یا مثلاً آپ کو کسی مسئلہ پر چند دلائل نقل کرنے ہوں تو بجائے اس کے کہ ہر ایک کے اقتباسات ذکر کئے جائیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ نمبر وار تمام دلائل کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھ دیا جائے اور حوالہ میں تمام مآخذ کا ذکر کردیا جائے۔

(۴) مقالہ کے تمہیدی حصہ پر خصوصیت سے زبان وبیان کے نقطۂ نظر سے زیادہ توجہ دینی چاہئے؛ اس لئے کہ اسی ابتدائی تحریر کو پڑھ کر قاری پورے مضمون کو پڑھنے کے لئے دلچسپی محسوس کرتا ہے، تحریر کا اختتامیہ بھی واضح اور مؤثر ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ پڑھنے والے پر اسی آخری حصہ کا تاثر باقی رہتا ہے۔

مقالہ کی تبییض

(۱) اُردو اور عربی زبان میں تحریر کے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ دائیں جانب ڈیڑھ انچ اور بائیں جانب ایک انچ اور صفحہ کی بالائی جانب سے سوا انچ اور نیچے کی جانب سے نصف انچ جگہ چھوڑ دی جائے، اس سے مسودہ خوبصورت بھی نظر آتا ہے اور اگر کسی وجہ سے اوراق کے کنارے پھٹ گئے تو اصل عبارت کو نقصان نہیں پہنچ پاتا۔

(۲) پیراگراف کی پہلی سطر باقی حصہ کے مقابلہ دو لفظ کے بقدر چھوڑ کر شروع کی جائے۔

(۳) مرکزی عناوین سطر کے وسط میں لکھے جائیں اور ذیلی عناوین سطر کے دائیں کنارے، بعض حضرات اس کے نیچے ایک باریک خط بھی کھینچ دیتے ہیں، ایسا بھی کیا جاسکتا ہے، بہتر ہے کہ مرکزی اور ذیلی عناوین کی سطر میں کوئی عبارت نہ لکھی جائے؛ تاکہ عنوان نمایاں ہوسکے۔

(۴) فی زمانہ حاشیہ لکھنے کے تین طریقے ہیں :

الف : ہر صفحہ کا حاشیہ اسی صفحہ پر لکھ دیا جائے اور ہر صفحہ کے حواشی مستقل طور پر نمبر ایک سے شروع کئے جائیں، یہ نسبتاً قدیم؛ لیکن سب سے آسان اور بہتر طریقہ ہے۔

ب : دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک سلسلہ سے ایک پورے باب کے حواشی نمبر ڈالے جائیں اور باب کے آخری میں ایک جگہ نمبروار تمام حواشی درج کردیئے جائیں۔

ج : تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پوری کتاب کے حواشی نمبروار درج کئے جائیں اور کتاب کے آخر میں سب کو ایک ساتھ درج کردیا جائے۔

آج کل یہ دونوں طریقے زیادہ رائج ہیں، مگر عملاً اس میں پڑھنے والوں کو دقت ہوتی ہے۔

(۵) حواشی میں چار طرح کی باتیں درج کرنی چاہئیں :

- ماٰخذ کے حوالہ جات۔
- کسی بھی گذشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ۔
- کسی مشکل لفظ کا معنی۔
- شخصیات، مقامات، واقعات اور اصطلاحات پر تعارفی نوٹ۔

(۶) الگ الگ مسائل سے متعلق حوالہ جات الگ الگ سطروں میں لکھے جائیں، اگر ایک ہی نمبر میں کئی حوالہ جات ہوں تو پھر ایک حوالہ لکھ کر ''کوما'' لگایا جائے، اس کے بعد اسی سطر میں دوسرا حوالہ لکھا جائے، اگر آپ حوالہ میں یہ لکھنا چاہتے ہوں کہ میں نے جس کتاب سے حوالہ لیا ہے، اس نے فلاں دوسری کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، تو پہلے آپ اپنے ماٰخذ کا

ذکر کردیں، پھر ''بحوالہ'' لکھ کر اس کتاب کے ماخذ کا ذکر کردیں، جیسے: الفتاوی الہندیہ: ۱/۳۵،
بحوالہ خلاصۃ الفتاوی، حوالہ میں جلد، صفحہ کے علاوہ باب اور فصل کا بھی ضرور حوالہ دینا چاہئے؛
تاکہ نسخہ بدل جائے تب بھی تلاش کرنے میں دقت نہ ہو، قرآن مجید کی آیات میں سورت
اور آیت نمبر، احادیث کے مرقم نسخے ہوں، تو حدیث نمبر اور فقہ یا کسی اور موضوع کی کتاب میں
فقروں پر نمبر اندازی کی گئی ہو، تو ان کا نمبر بھی درج کرنا چاہئے، اگر کوئی بات مقدمہ سے لی
جائے تو قوسین میں ''مقدمہ کتاب'' لکھا جائے اور ''مقدمہ نویس'' کا نام بھی۔

(۷) تبییض میں حروف کا حجم چار طرح کا ہونا چاہئے:

- مرکزی عنوان سب سے نمایاں خط میں لکھا جائے۔
- ذیلی عنوان کا خط اس سے کم نمایاں ہو۔
- ذیلی عنوان کی بہ نسبت کم حجم کا خط مضمون کے متن کا ہو۔
- اور سب سے باریک خط حاشیہ کا ہو۔

(۸) مضامین میں پیراگراف ضرور قائم کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ایک
مضمون میں یا ایک پیراگراف میں ایک بات مکمل ہوجائے، پیراگراف نہ بہت بڑے ہوں
اور نہ بالکل چھوٹے۔

(۹) اگر مضمون میں اعداد ذکر کرنے ہوں تو اُصول یہ ہے کہ سو تک کا عدد لفظوں میں
لکھا جائے اور سو سے اوپر کا عدد ''عددی زبان'' میں؛ البتہ پیراگراف کے شروع میں کوئی عدد
آئے تو اس کو لفظوں ہی میں لکھنا چاہئے۔

(۱۰) صفحہ نمبر، صفحہ کے وسط میں یا صفحہ کے بائیں طرف لکھنا چاہئے، صفحہ نمبر لکھنے میں
آج کل اُصول یہ ہے کہ سرورق پر نہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نہ اس کو شمار کیا جاتا ہے، سب ٹائٹل اور اس
کے پشت کا صفحہ، نیز وہ صفحہ جہاں سے کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے یا جس پر مرکزی
عنوان لکھا گیا ہو، ان پر صفحہ نمبر درج نہیں کیا جاتا؛ البتہ صفحہ نمبر ڈالتے ہوئے ان کو شمار کیا جاتا ہے،
اصل مضمون شروع ہونے سے پہلے فہرست اور تمہید وغیرہ کے صفحات پر آج کل اعداد کے ذریعہ

نمبر اندازی نہیں کی جاتی؛ "ابجد، ہوز" یا لفظوں میں اعداد کو لکھ کر ان صفحات کا نمبر ظاہر کیا جاتا ہے اور جہاں سے اصل مضمون شروع ہو، وہاں سے اعداد میں نمبر اندازی کی جاتی ہے، مگر اس کی رعایت ضروری نہیں،—— نمبر اندازی کی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی کہ سب ٹائٹل سے شمار کر کے نمبر لگائیں اور یہ بھی کہ جہاں سے صفحہ نمبر شروع کیا ہے، اس کو پہلا صفحہ تصور کر لیں۔

(۱۱) مضمون میں جہاں کہیں کسی کا اقتباس نقل کرنا ہو تو اس کو حوض میں لکھنا چاہیے، حوض سے مراد یہ ہے کہ دائیں جانب اور بائیں جانب سے عام عبارت کے مقابلے اس کی سطریں پون پون انچ کے قریب کم کر دی جائیں، حوض میں بھی پہلی سطر دو لفظوں کے بقدر چھوڑ کر شروع کرنی چاہیے اور اقتباس کو واوین ("......") میں نقل کرنا چاہیے،—— کسی مصنف کے اقتباس میں اگر کوئی ایسا لفظ آجائے جو سمجھ میں نہ آئے یا غلط محسوس ہو تو اس کو قیاس سے نہ لکھنا چاہیے اور نہ اپنی طرف سے درست کرنا چاہیے؛ بلکہ اس لفظ کے بعد قوسین میں سوالیہ نشان (؟) ڈال کر چھوڑ دینا چاہیے یا اس پر حاشیہ نمبر ڈال کر حاشیہ میں اپنے قیاس اور اندازہ کی توضیح کر دینی چاہیے۔

(۱۲) جس زبان میں آپ لکھ رہے ہیں، اگر کسی لفظ کا صحیح تلفظ اس میں ادا نہ ہو پاتا ہو تو اس لفظ کے بعد قوسین میں اصل زبان میں اس لفظ کو لکھ دینا چاہیے، اسی طرح اگر اپنے الفاظ میں کسی اصطلاح کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن آپ کی عبارت اس لفظ کی پوری حقیقت کے اظہار سے قاصر ہے، تو وہاں بھی قوسین میں اس اصطلاحی لفظ کو درج کر دینا چاہیے۔

(۱۳) کتاب کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے:

❖ سب سے پہلے سرورق۔

❖ اس کے بعد فہرست مضامین۔

❖ اگر کتاب میں تصاویر، نقشہ جات یا دستاویز بھی شریک اشاعت ہوں تو فہرست مضامین کے بعد فہرست نقشہ جات و تصاویر۔

❖ اس کے بعد دیباچہ۔

- دیباچہ کے بعد اصل کتاب۔
- اگر کتاب کا ضمیمہ بھی ہو تو اصل کتاب کے بعد ضمیمہ۔
- ضمیمہ کے بعد کتابیات۔
- اور اخیر میں ''اشاریہ'' یعنی انڈکس۔

کتابیات

کتابیات میں عام ترتیب یہ رکھی جاتی ہے کہ :

(الف) سب سے پہلے مخطوطات۔

(ب) پھر مطبوعات۔

(ج) اس کے بعد رسائل وجرائد۔

(د) اور اخیر میں مکتوبات۔

- مطبوعات میں کبھی حروفِ تہجی کی ترتیب سے کتابیں درج کی جاتی ہیں، کبھی مضمون کی ترتیب سے، مثلاً پہلے تفسیر، پھر حدیث وغیرہ، اور کبھی مذہب ومسلک کی ترتیب سے، جیسے فقہ حنفی، مالکی وغیرہ۔

اشاریہ

اشاریہ میں عام طور پر تین چیزیں ذکر کی جاتی ہیں :

- شخصیات۔
- مقامات۔
- اور کتابوں کے نام۔

ان کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج کیا جاتا ہے اور جہاں جہاں ان کا ذکر آیا ہو، ان کے صفحات نمبر درج کئے جاتے ہیں۔

علاماتِ تحریر

☐ نقطہ (.) — عربی زبان میں ایک مکمل جملہ کی انتہاء پر نقطہ دیا جاتا ہے، اُردو میں

اس کی جگہ چھوٹا ڈیش (-) لکھا جاتا ہے۔

□ سکتہ (،) — عربی میں اس کو "فاصلہ" کہا جاتا ہے، عام طور سے اس کا استعمال پانچ مواقع پر ہوتا ہے:

❖ ایک: منادیٰ کے بعد۔

❖ دوسرے: ان مفرد الفاظ کے درمیان، جن کا ایک دوسرے پر عطف کرنا مقصود ہو۔

❖ تیسرے: شرط و جزا اور قسم و جواب قسم کے درمیان، بشرطیکہ شرطیہ اور قسمیہ جملے طویل ہوں۔

❖ چوتھے: مترادف الفاظ کے درمیان۔

❖ پانچویں: جملوں کے ذیل میں آنے والے چھوٹے چھوٹے جملوں کے درمیان،

— اس کے علاوہ بعض اور مواقع پر بھی یہ علامت دی جاتی ہے۔

□ منقوطہ سکتہ (؛) — عام طور پر دو موقعوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے:

❖ اول: جملے کے بعد جس میں اس کا سبب مذکور ہو۔

❖ دوم: ایسے دو جملوں کے درمیان جو معنی کے اعتبار سے باہم مربوط ہیں۔

□ دو نقطہ (:) — اس علامت کا استعمال عام طور پر دو صورتوں میں ہوتا ہے:

❖ اول: قول اور مقولہ کے درمیان۔

❖ دوم: کسی چیز کی اقسام اور انواع بیان کرتے ہوئے۔

□ علامت انفعال (!) — خوشی، غم، تعجب اور تاسف کے اظہار نیز استغاثہ کے مواقع پر لگائی جاتی ہے اور اردو زبان میں اب منادیٰ کے بعد بھی اس کا استعمال ہونے لگا ہے۔

□ سوالیہ نشان (؟) — سوال اور استفہام کے اظہار کے لیے یہ نشان لگایا جاتا ہے، کبھی سوال کے ساتھ غایت تعجب کے اظہار کے لیے اس نشان کو دو دفعہ (؟؟) استعمال کیا جاتا ہے۔

□ بڑا ڈیش (—) — عام طور سے یہ علامت عدد اور معدود کے درمیان استعمال

کی جاتی ہے۔ جیسے تعداد اول، دوم، سوم وغیرہ کے الفاظ سے ظاہر کی گئی ہو یا اعداد میں۔ کبھی تبدیلی مضمون کے اظہار کے لیے اگر سابقہ پیراگراف بہت چھوٹا ہو رہا ہو تو اس طرح کی علامت استعمال کی جاتی ہے اور اردو زبان کے مشہور ادباء کے یہاں اس قسم کا استعمال مروج ہے۔

□ مکرر ڈیش (—……—) — آج کل جملۂ معترضہ کے لیے اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔ جملۂ معترضہ کی ابتداء پر ایک ڈیش اور اختتام پر دوسرا ڈیش لگایا جاتا ہے۔

□ واوین ("……") — یہ علامت عموماً حرف بحرف نقلِ عبارت کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ بعض دفعہ کسی خاص لفظ پر زور دینے کے لیے یا اس کے طنزیہ پہلو کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔

□ قوسین ((……)) — قوسین دو طرح کے ہوتے ہیں:

❖ چھوٹے قوسین، عربی میں اس کو مطلق قوسین کہتے ہیں۔
❖ چھوٹے قوسین کا استعمال عام طور سے دو مقصد کے لیے ہوتا ہے:
❖ ایک: کسی مشکل لفظ کی وضاحت و تفسیر کے لیے۔
❖ دوسرے: دعائیہ کلمہ کے لیے۔

آج کل سن ولادت، سن وفات اور کتاب کی جلد و صفحہ بھی بعض دفعہ قوسین میں درج کیے جاتے ہیں۔

□ بڑے قوسین ([……]) — ان کو عربی میں "مرکعین" کہا جاتا ہے، اس میں دوسرے کی بات نقل کرتے ہوئے درمیان میں اپنی طرف سے وضاحتی الفاظ لکھے جاتے ہیں، گویا یہ مؤلف کے "ادراج" کو ظاہر کرتا ہے۔

□ اگر کسی عبارت کو نقل کرتے ہوئے درمیان میں کوئی حصہ چھوڑنا ہو تو تین (…) نقطے علامتی طور پر لگائے جائیں گے۔

□ اگر کسی مصنف کا پہلا اور تیسرا پیراگراف لیا جائے اور بیچ کا ایک پیراگراف مکمل چھوڑ دیا جائے تو پوری سطر نقطوں کی ہونی چاہیے۔

مقالہ پر مناقشہ

مقالہ اور رسالہ کی تیاری کے بعد آخری مرحلہ اس پر مناقشہ اور نظر ثانی کا ہے، مناقشہ سے میری مراد مختلف اہل علم کی طرف سے تنقید اور نظر ثانی سے مراد خود مقالہ نگار کی طرف سے آخری نظر ڈالنے کے ہیں، نقد کے معنی پرکھنے کے ہیں اور تنقید سے مراد تعمیری ذہن کے ساتھ کسی تحریر کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا ہے، تعمیری تنقید کا کام بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اس سے مصنف کو بڑا نفع پہنچتا ہے، تنقید کرتے ہوئے کسی تحریر کو پانچ پہلوؤں سے دیکھا جانا چاہئے :

- اول: اس تحریر پر پیش کیا گیا مواد۔
- دوسرے: مقالہ نگار کی نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت۔
- تیسرے: خود اس نتیجہ اور نظریہ کی علمی حیثیت، جس کو مقالہ نگار نے پیش کیا ہے۔
- چوتھے: مقالہ نگار کی تعبیر اور بیان و اظہار کا اُسلوب۔
- پانچویں: اس مضمون کی ترتیب۔

جو تحریر ان پانچ پہلوؤں سے جتنی زیادہ مکمل ہوگی، اسی قدر عمدہ، اثر انگیز اور اپنے مقصد کے لئے نتیجہ خیز ہوگی، اگر کسی تحریر پر مناقشہ و مباحثہ کا موقع ملے تو ان تمام پہلوؤں سے اس کو دیکھنا چاہئے اور خود نظر ثانی کرنی ہو تو اپنی تحریر بھی بار بار پڑھنی چاہئے؛ کیوں کہ دوسروں کی تحریر کا عیب معلوم کرنا آسان ہے، خود اپنی تحریر کی خامیوں پر آگاہ ہونا زیادہ مشکل ہے، اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر آپ کی کسی تحریر یا فکر پر تنقید کی جائے تو ناقد کا لب و لہجہ کتنا ہی ناروا ہو؛ لیکن اس کی جو باتیں مطابق واقعہ ہوں، ان کو بلا تکلف قبول کر لیا جائے اور علمی انا کو راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے، یہی سلف صالحین اور ہر دور کے علماء حق کا وطیرہ رہا ہے۔

○ ○ ○